ملتان کا گمشدہ ڈراما نگار: انوار احمد

Neglected play writer of Multan: Anwaar Ahmad

---

[1] رضوان فیصل

Abstract:

In literary circles, Anwaar Ahmad is known as a short story writer and critic. But he has also experimented with the art of drama. The most important element in fiction is the subject of what part of life the artist has tried to show. Anwaar Ahmad's dramas seem to dominate the problems of his region. The themes of their fears are not unfamiliar. They tell the story of their own soil, the story of their own region. There is adoption in their subjects. Point to the problems of the region, try to bring out the bitter realities of society. Anwaar Ahmad has a special thought, a thought, a purpose, and this thought is evident in his speech, his fiction and his plays.

Keywords: Anwaar Ahmad, Neglected drama writer, Multan, Problems, Optimism, Feminism

ادبی حلقوں میں انوار احمد ایک مختصر افسانہ نگار اور نقاد کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ لیکن اس نے ڈرامے کے فن میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ فکشن میں سب سے اہم عنصر یہ ہے کہ فنکار نے زندگی کے کس حصے کو دکھانے کی کوشش کی ہے۔ انوار احمد کے ڈراموں میں اپنے علاقے کے مسائل حاوی نظر آتے ہیں۔ ان کے خوف کے موضوعات ناواقف نہیں ہیں۔ وہ اپنی مٹی کی کہانی، اپنے ہی علاقے کی کہانی سناتے ہیں۔ ان کے مضامین میں اپنائیت ہے۔ علاقے کے مسائل کی طرف اشارہ کریں، معاشرے کی تلخ حقیقتوں کو سامنے لانے کی کوشش کریں۔ انوار احمد کی ایک خاص سوچ، ایک سوچ، ایک مقصد ہے اور یہ سوچ ان کی تقریر، ان کے افسانوں اور ان کے ڈراموں سے عیاں ہے۔

کلیدی الفاظ: انوار احمد، گمشدہ ڈراما نگار، ملتان، مسائل، رجائیت، تانیثیت

ادبی حلقوں میں انوار احمد کی پہچان ایک افسانہ نگار اور نقاد کی ہے۔ مگر انہوں نے ڈراما نگاری کے فن میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ اپنی تدریسی زندگی کے آغاز میں انوار احمد نے ریڈیو کے لیے ڈرامے تحریر کیے لیکن ریڈیو ملتان کے ریکارڈ میں وہ محفوظ نہ رہ سکے۔ ان کے چند ڈرامے ڈاکٹر عامر سہیل کی ادارت میں شائع ہونے والے رسالے ''انگارے'' میں شائع ہوئے اور ایک ڈراما حال ہی میں انوار احمد کی زیر ادارت شائع ہونے والے رسالے ''پیلھوں'' میں شائع ہوا ہے۔ اگرچہ مقالہ نگار نے انوار احمد کے جو ڈرامے تلاش کیے ہیں ان کی تعداد پانچ ہے مگر ان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ 'گفتار اور عمل کے ذریعے سے اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کا نام ڈراما ہے'۔[۱] پلاٹ، کردار اور مکالمے کو ڈراما نگاری کے بنیادی اجزاء میں شمار کیا جاتا ہے۔ اگر ڈراما نگاران عوامل

---

[۱] استاد، شعبہ اردو، گورنمنٹ ولایت حسین اسلامیہ کالج، ملتان

کو کامیابی سے برتنے میں کامیاب ہو جائے تو اسے کامیاب ڈراما نگار کہا جائے گا۔ ذیل میں انوار احمد کے ڈراموں کا ایک جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

فکشن میں سب سے اہم عنصر موضوع ہے کہ فنکار نے زندگی کے کس حصے کو دیکھانے کی کوشش کی ہے۔ انوار احمد کے ڈراموں میں اپنے خطے کے مسائل کا غلبہ نظر آتا ہے۔ ان کے ڈراموں کے موضوعات غیر مانوس نہیں ہیں۔ وہ اپنی ہی مٹی کی داستان بیان کرتے ہیں، اپنے ہی خطے کی کہانی بیان کرتے ہیں۔ ان کے موضوعات میں اپنائیت ہے۔ خطے کے مسائل کی طرف اشارہ کرتے ہیں، معاشرے کے تلخ حقائق کو سامنے لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ انوار احمد کی ایک خاص سوچ ہے، فکر ہے، ایک نصب العین ہے، اور یہ فکر ان کی گفتگو، ان کے افسانوں اور ان کے ڈراموں میں واضح طور پر نظر آتی ہے، ان کے نزدیک اس معاشرے کی سب سے بڑی ضرورت تعلیم ہے۔ اگر معاشرہ تعلیم یافتہ ہو گا تو پھر وہ تمام مسائل کا مردانہ وار مقابلہ کر سکے گا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ان کرداروں سے بھی واقف ہیں، ان کا ذکر بھی کرتے ہیں کہ جو جہالت کی تاریکی کو اس معاشرے پر مسلط رکھنا چاہتے ہیں۔ کیوں کہ اگر تمام لوگ تعلیم یافتہ ہو جائیں گے تو پھر فرسودہ قسم کے رسم و رواج کے ذریعے سے وہ اپنا غلام کس کو بنائیں گے۔ انوار احمد کا ڈراما ''خون خاک نشیناں'' اسی موضوع کے متعلق ہے۔ جس میں وسیب کا ایک جابر جاگیر دار علم کی روشنی پھیلانے والی ایک معصوم استانی کو قتل کر دیتا ہے اور پھر اپنے نوکر کے ذریعے سے وہ مولوی کو پیغام بھجواتا ہے کہ اس دفعہ جمعے کے وعظ میں قتل سے متعلق قرآنی احکامات کا ذکر نہیں کرنا۔ اس کے علاوہ جو بھی عینی شاہدین ہیں ان کو بھی پیغام بھجواتا ہے کہ:

> ''اور ہاں سلیم کریانے والے کو بھی میری طرف سے بتا دینا کہ اپنی زبان بند رکھے گا، ورنہ اس کی آنکھیں نکلوا دوں گا، اس طرح عینی گواہ بننے کا اس کا شوق بالکل ختم ہو جائے اور کریانے والے شادے سے بھی کہنا کہ موقعے کی دکان میں اس لیے بٹھایا ہے کہ دیکھے سب کچھ مگر بولے کچھ نہیں۔''[۲]

اس ڈرامے کا موضوع جاگیر دار اور ملا کا روایتی گٹھ جوڑ ہے جس کی وجہ سے آج ہمارا معاشرہ زوال کی اتھاہ گہرائیوں کو چھو رہا ہے۔ اور وہ کردار جو اس جہالت کو اس ظلم کو ختم کرنے کے درپے ہیں جو ان اندھیروں کے بدلے میں اجالے کی تمنا رکھتے ہیں ان کے ساتھ اس معاشرے میں کیا سلوک کیا جاتا ہے:

> ''ہائے ہائے ظالموں نے ڈکرے کر دیئے جی ماسٹرانی جی کے، بوری کے اندر سے نکلے ہیں۔''[۳]

لیکن ہر بڑے تخلیق کار کی طرح انوار احمد کے ڈراموں میں امید کا عنصر موجود ہے۔ جو کوشش کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ کیوں کہ کوشش ہی کامیابی کا پہلا زینہ ہے۔ اس ڈرامے کے آخر میں جب دو کردار آکر تھانیدار کو کہتے ہیں کہ جاگیر دار کے خلاف گواہی دینے کو تیار ہیں تو ہمیں ایک جگہ پر تو رجائیت نظر آتی ہے مگر یہ منظر غیر حقیقی بھی لگتا ہے کیوں کہ دیہات اور قصبوں کی ثقافت کو جاننے والے ہر فرد کو پتہ ہے کہ ایسا ممکن نہیں ہوتا۔ انوار احمد زمانے کے فرسودہ رسم و رواج کے سخت ناقد ہیں۔ ایسے رسم و رواج جن کو انسان کی فلاح کے لیے بنایا جاتا ہے مگر اپنے رسم و رواج کی جکڑ بندیوں کی وجہ سے انسان تقسیم ہو جاتا ہے۔ مادیت پرستی اور اس کے نتیجے میں تبدیل ہوتے انسانی رویے بھی ان کے ڈراموں کا موضوع ہیں۔ انوار احمد معاشرے کے اُن دریچوں کی جانب بھی غور و فکر کرنے کی دعوت دیتے ہیں جن کی جانب ہم عام طور پر دیکھتے نہیں ہیں۔ عام طور پر ماں باپ کے رویوں کے بارے میں ہمارے معاشرے میں غور نہیں کیا جاتا۔ ماں باپ بچوں سے جس بھی طرح کا سلوک روا رکھیں لیکن اگر بچے ماں باپ سے بد تمیزی کریں تو پھر معاشرہ اسے طرح طرح کے القابات سے نوازتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں محبت کو قابل نفرت جرم سمجھا جاتا ہے کیوں کہ اپنی دانست میں اس طرح ہم اپنی مشرقی اقدار اور روایات کو محفوظ سمجھتے ہیں۔ آج بھی ہمارے معاشرے میں لڑکا اور لڑکی کی آپس میں محبت کی کہانی میں ولن کا رول ماں باپ ہی ادا کرتے ہیں۔ ماں اور باپ کی آپس کی لڑائیوں اور فکری اختلافات کی سزا بچوں کو ملتی ہے۔ انوار احمد کا ڈراما ''صفروں والا گھر'' ایسے ہی موضوعات سے متعلق ہے۔ روبی اور زمان کلاس فیلو ہیں اور محبت کرتے ہیں۔ مگر دونوں کے ماں باپ کے رویے اُن کے ایک ہونے میں رکاوٹ

ہیں۔ روبی کے ماں اور باپ نے بھی محبت کی شادی کی تھی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکی لہٰذا روبی کی ماں نہیں چاہتی کہ روبی بھی محبت کی شادی کرے۔ دوسری طرف زمان کا باپ انتہائی حریض اور لالچی ہے۔ وہ ارب پتی ہے مگر زمان یونیورسٹی کی فیس ٹیوشن پڑھا کر ادا کرتا ہے۔ ''ایک عمر کئی زندگیاں'' میں بھی دو کردار ہیں جو ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں لیکن ''صفروں والے گھر'' کی طرح اُن کی محبت اس ڈرامے کا بنیادی موضوع ہے۔ اس ڈرامے کا موضوع آج کل کی تیز رفتار زندگی میں دوہرے کردار ہیں۔ اس ڈرامے میں نیلم (جو کہ نوجوان لیڈی رپوٹر ہے) مثالی میاں بیوی کے انٹرویو کے سلسلے میں مختلف جوڑوں سے ملتی ہے۔ یہاں پر ڈراما نگار ہمیں مختلف لوگوں کی نفسیات سے متعارف کرواتا ہے۔ آغاز منور اور بیگم منور سے ہوتا ہے۔ مسٹر منور جو کہ سرمایہ دار ہے۔ اور بیگم منور جس کو احساس ہے کہ اس کا تعلق بالائی طبقے سے ہے۔ انٹرویو کے دوران مسٹر منور کی سیکرٹری کی کال آتی ہے اور دونوں میاں بیوی میں لڑائی ہو جاتی ہے۔ پھر کچی آبادیوں میں رہنے والی ایک عورت (جس کا نام صابرہ ہے) کا ذکر ہے۔ اس گفتگو میں نچلے طبقے میں پسنے والی عورت کا احوال ہے اور پھر حقیقت میں ایک مثالی میاں بیوی کا انٹرویو ہے۔ مسٹر اور مسز منور کے کردار دوغلے ہیں، ان کا ظاہر اور باطن الگ الگ ہے ایسے لوگوں سے ملنے کے بعد نیلم اپنے دوست سے سوال کرتی ہے اور اس کا سوال در حقیقت اس معاشرے کا المیہ ہے:

> ''آخر شہروں سے، گھروں سے، محبت، ایثار، ذہنی ہم آہنگی کیوں غائب ہو گئی ہے۔ یہ لیڈیز کلب، یہ مقدس تہوار، یہ فنکشن اور ان میں آنے والی مہذب شخصیتیں، یہ شائستہ، کھنکتے ہوئے لوگ، یہ اندر سے خالی کیوں ہو گئے۔''[۴]

ہمارے معاشرے میں عورت کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جاتا ہے وہ بھی اس ڈرامے کا موضوع ہے۔ کچی بستیوں میں رہنے والے جوڑوں میں سر شام ہی لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں۔ شام کو جب خاوند گھر آتے ہیں تو وہ خاتون پر ہاتھ اٹھانا اپنے فرائض منصبی میں سے ایک سمجھتے ہیں اور یہاں پر مثالی جوڑا اُس گھر کو سمجھا جاتا ہے جہاں شام کے وقت آوازیں نہ آئیں:

> ”میرے گھر میں جو بھی ہو جائے جی میں آواج نہیں نکالتی پھر رات رات بھر ہلدی لگاتا ہے
> ٹکوریں کرتا ہے۔“[۵]

انوار احمد کو اپنی دھرتی، اپنے خطے، اپنے شہر ملتان سے بہت محبت ہے۔ ان کا ڈراما ”تیر“ پیالہ اور النگ“ اس خطے کی تاریخ کے متعلق ہے اور اس ڈرامے میں اُن لوگوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے جنھوں نے اس کی تاریخ کو مسخ کیا ہے۔ ڈرامے میں کردار نگاری جزو اعظم کی حیثیت رکھتی ہے۔ ڈرامے کے قصے میں، واقعات اور ماحول میں اگر کردار نگاری شامل نہیں تو وہ بچکانہ تخلیق ہے۔ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ ڈراما حقیقت میں کردار کی کہانی ہے۔ اس کی کامیابی کا تمام تر دار و مدار اور انحصار بھرپور اور جاندار کردار نگاری پر ہوتا ہے۔ شیکسپیئر کی شہرت اس کے لافانی کرداروں کی مرہون منت ہے۔ ایک کامیاب فنکار کہانی کی بنت کے ساتھ ساتھ کرداروں پر بھی خاص توجہ دیتا ہے۔ ایسے کردار دیکھنے والے کو زیادہ متاثر کرتے ہیں جو یک رخے نہ ہوں بلکہ ان میں زندگی جیتی جاگتی محسوس ہو۔ ایسے کردار جس سے قاری مانوس ہو جو اُس کی ارد گرد کی فضا سے تخلیق کئے گئے ہوں۔ جو گوشت پوست کے انسان ہوں۔ ڈاکٹر اسلم قریشی لکھتے ہیں:

> ”انسانیت کی عکاسی کرتے ہوئے جیتے جاگتے ’ہم ہوئے‘ تم ہوئے کہ میر ہوئے‘ جیسے زندہ اور سانس لیتے ہوئے کرداروں کی تخلیق کی قدرت سے ڈراما نگار صحیح معنوں میں فنکار کہلوائے جانے کا مستحق ہے۔“[٦]

انوار احمد نے چوں کہ ریڈیو کے لیے ڈرامے لکھے ہیں اور ریڈیو میں ڈرامے کا دورانیہ ۳۵ سے ۴۰ منٹ تک ہوتا ہے۔ اس لیے ان کے کردار ارتقائی مراحل طے نہیں کرتے۔ ڈرامے کے آغاز میں جس سوچ اور فکر کا کردار مظاہرہ کرتا ہے وہ ڈرامے کے آخر تک چلتی ہے۔ اگر ہم انوار احمد کے ڈراموں میں کرداروں کا مقابلہ کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے ڈراموں میں مردوں کی نسبت خواتین کے کردار زیادہ جاندار ہیں۔ خواتین کے کرداروں کی بنت کرتے ہوئے انوار احمد نے زیادہ محنت کی ہے۔ خواتین کے کرداروں کو مثبت انداز میں پیش کیا ہے۔ منفی کرداروں کے لیے مردوں کا انتخاب ہی کیا گیا ہے، انوار احمد کے بیشتر کردار یک رخے

ہیں۔ اگر وہ برے ہیں تو اُن سے کسی اچھے فعل کی توقع رکھنا عبث ہے اور اگر وہ اچھے، مثبت اور نیک کردار ہیں تو پھر اُن سے کوئی غلطی سرزد ہو ہی نہیں سکتی۔ انوار احمد چوں کہ فکری طور پر ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہیں تو ان کے ڈراموں میں عورت فعال کردار ادا کرتی ہے۔ وہ مرد اور عورت کی برابری کے خواہشمند ہیں۔ وہ معاشرے میں مردوں کی طرح عورتوں کو بھی برابری کے مواقع دینا چاہتے ہیں۔ ان کے لیے عورت کسی طور پر کمزور نہیں ہے۔ ''ایک عمر کئی زندگیاں'' میں نیلم کا کردار ایک بھرپور اور جاندار کردار ہے۔ نیلم خوبصورت ہے، تعلیم یافتہ ہے، ذہین ہے، فرض شناس ہے، وفا شعار ہے، مگر کسی طور پر بھی مردوں پر بھروسہ کرنے کو تیار نہیں ہے، مردوں کی حاکمیت سے بھرپور اس معاشرے میں وہ عورت کے ساتھ انصاف کے خواہشمند ہے۔ عورتوں کے ساتھ ہونے والے ظلم و زیادتی کا بھرپور اظہار کرتی ہے۔ اسی طرح سے ''صفروں والا گھر'' میں ایک نسوانی کردار روبی کا ہے۔ جو تعلیم یافتہ ہے، ذہین ہے جب اس کا ایک ہم جماعت اُس سے شادی کی خواہش کا اظہار کرتا ہے تو وہ جواب میں کہتی ہے:

> ''دیکھو' اب بھی سوچ لو کہ میرے جیسی لڑکی کے ساتھ شادی کے بعد تم خوش نہیں رہ سکو گے۔ میں سوچ سکتی ہوں' بول سکتی ہوں اور صرف سہہ نہیں سکتی وار بھی کر سکتی ہوں۔''[۷]

انوار احمد کے ہاں نسوانی کردار بولتے ہیں، بات کرتے ہیں، اپنی سوچ اور فکر کا اظہار کرتے ہیں، وہ مردوں کے زیرِ دست رہنا پسند نہیں کرتے بلکہ اپنے فیصلے خود کرتے ہیں۔ وہ محض وار سہتے نہیں بلکہ وار کرنے کی بھی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔ ''تیر' پیالہ اور النگ'' میں مس فرح کا کردار ہے۔ جو نہ صرف تعلیم یافتہ ہے بلکہ اپنے خطے کی سیاسی، سماجی تہذیبی، ثقافتی اور عمرانی تاریخ سے بھی مکمل آگہی رکھتا ہے۔ اس ڈرامے میں ملتان کی ثقافت، تہذیب اور تاریخ سے متعلق ایک نیم سرکاری میٹنگ میں فرح کے علم کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ انوار احمد کے ڈراموں میں خواتین کردار محض حسِ جمالیات کی تسکین کے لیے ہی نہیں ہوتے بلکہ ڈرامے کی فضا میں بھرپور تاثر کے حامل ہوتے ہیں۔ مس فرح کے روشن خیال اور تعلیم یافتہ کردار کی ایک جھلک دیکھیے:

> ''سر! آپ نے ول ڈیورائٹ کو ضرور پڑھا ہو گا، اس نے لکھا ہے جانور ایک دوسرے کو بغیر جھجک یا ضمیر کی خلش کے کھا جاتے ہیں۔ مہذب انسان ایک دوسرے کو ہڑپ کرنے کے لیے قانون کا سہارا لیتے ہیں۔''[۸]

انوار احمد کرداروں کے تاثر کو گہرا کرنے کے لیے کردار کے مطابق زبان استعمال کرتے ہیں۔ اگر کردار تعلیم یافتہ ہے تو وہ تہذیب، شائستگی اور اخلاق کے ساتھ غیر ملکی دانشوروں کی مثالیں دیتا نظر آئے گا اگر کردار جاہل، ان پڑھ اور گنوار ہے تو وہ اُسی لہجے میں گفتگو کرتا نظر آئے گا۔ ''ایک عمر کئی زندگیاں'' میں ایک رو،ہتکی کردار ہے تو انوار احمد نے ٹھیٹھ رو،ہتکی زبان سے اُس کردار کے تاثر کو کئی گنا بڑھا دیا ہے:

> ''میں ان پڑھ جرور اوں، پر میں جانوں رے تہارے سارے اکباراں کوں تم ساری کھبر اں برے لوکاں کی دیتے ہو اور کالک ملتے رہتے ہو اچھے لوکاں کے منہ پر، گھراں میں آگ لگاتے ہو، تم سارے کے سارے، تیں پھوٹو چھاپے گی صابرہ کی، جس دن چار گندی نظراں والے اس پر عاسک ہو جاویں گے تو رفیک کی جندگی میں کیارہ جاوے گا۔''[۹]

اگر مردوں کے کردار کی بات کی جائے تو انوار احمد نے مردوں کے کردار میں بھی محنت کی ہے۔ مردوں کے کردار تعلیم یافتہ بھی ہیں، اپنی مرضی کے فیصلے بھی خود کرتے ہیں لیکن اگر تقابلی جائزہ لیا جائے تو مردوں کے کردار نسوانی کرداروں کے مقابلے میں ہیچ نظر آتے ہیں۔ ڈراما نسوانی کرداروں کے گرد ہی گھومتا ہے۔ نسوانی کرداروں کے فیصلے مرددوں کے عمل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ انوار احمد کے ڈرامے دلچسپی کے عنصر سے مالا مال ہے۔ وہ قاری کو کسی بھی موقع پر اپنی توجہ کھو دینے کا موقع نہیں دیتے بلکہ قاری مکمل طور پر ڈرامے کے سحر میں گرفتار رہتا ہے۔ قاری کی دلچسپی کو برقرار رکھنے کے لیے بعض اوقات ہلکے پھلکے مزاح کا بھی سہارا لیتے ہیں۔ جس سے قاری محظوظ ہوتا ہے:

> ''بھئی ہمارے استاد صدیق صاحب کہا کرتے تھے میاں شادی تو لاٹری ہوتی ہے ۹۹۹ پرچیاں خالی اور ایک ہزارویں کامیاب کے نام کی۔''[۱۰]

اسی طرح ان کا ڈراما ''خون خاک نشیناں'' قصہ ہے ایک قتل کا جو ایک جاگیر دار نے کیا ہے ڈرامے کے اختتام تک تجسس قائم رہتا ہے۔ قاری یہ معلوم کرنے کے لیے بے چین ہے کہ آخر قتل کس نے کیا ہے اور آخر میں ڈرامائی انداز میں ڈراما نگار اس کا انکشاف کرتا ہے۔

ڈراما نگاری میں مکالمے کی حیثیت مسلم ہے۔ مکالمہ نگاری کے بغیر ڈراما نگاری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ڈراما کردار اور مکالمے کے ذریعے ہی آگے بڑھتا ہے کرداروں کے جذبات و احساسات، خیالات و نظریات اور ان کی نفسیات کو ظاہر کرنے کی خدمت بھی ان کے سپرد ہوتی ہے۔ ڈراما نگار فنی پابندیوں کے تحت ناول نگار کے برعکس کسی کردار پر براہ راست روشنی ڈالنے سے معذور ہوتا ہے۔ اس لیے ڈرامے میں مکالمے کے ذریعے ہی کسی کردار کی ظاہری اور باطنی خصوصیات کو اجاگر کیا جاتا ہے اس لیے اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ مکالمے زیادہ طویل نہیں ہونے چاہیں کیوں کہ مکالمے کی طوالت ڈرامائی تاثر کو بھی نقصان پہنچاتی ہے اور واقعات کے بہاؤ میں بھی رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔ مختصر مگر بھرپور مکالمے ڈرامے کے تاثر کو شدید کرتے ہیں۔ ان باتوں کے تناظر میں اگر انوار احمد کے ڈراموں کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ بیشتر ڈراموں میں انوار احمد کے مکالمے چھوٹے چھوٹے، برجستہ اور پر اثر ہیں۔ صرف ایک ڈرامے ''خون خان نشیناں'' میں جب جاگیر دار گفتگو کرتا ہے تو اس کی گفتگو خطیبانہ رنگ اختیار کر لیتی ہے جس سے ڈرامے کا تاثر مجروع ہوتا ہے۔ کرداروں کے تاثر کو گہرا کرنے کے لیے انوار احمد نے ان کے مزاج کو تعلیمی قابلیت اور معاشرتی منصب کے مطابق بیان کیا ہے۔ جس سے کردار اور ڈرامے کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے انوار احمد کے ڈراموں میں تانیثیت کا عنصر بھی موجود ہے۔ مرد نواز اس معاشرے میں عورت کو دیے گئے معاشرتی رتبے سے سخت خائف ہیں۔ اس کی شکایت وہ جابجا اپنے ڈراموں میں کرتے نظر آتے ہیں، ان کے ڈراموں میں نسوانی کردار ویسے بھی خاصے جاندار اور متحرک ہیں۔ اگر ہم نفسیاتی تناظر میں دیکھیں تو اس کو ردِ عمل بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر معاشرہ عورتوں کو حقوق نہیں دیتا تو اپنی تخلیقی قوت سے وہ اپنے ڈراموں میں خواتین کے کرداروں کو مظبوط کر دیتے

ہیں۔ اُن کے ڈراموں میں جو روشن خیال، پڑھی لکھی اور ذہین خواتین ہیں اُن کے مکالموں میں اس معاشرے میں عورتوں کے ساتھ ہوئے مظالم کی داستان موجود ہے:

> ''سر ہمارے ہاں جب بھی ایثار و قربانی کی بات ہوتی ہے تو اُس سے یہی مراد ہوتا ہے کہ یہ صرف عورت کا کام ہے وہ چاہے ماں ہو یا چاہے بیوی، چاہے بیٹی یا بہن۔''[۱۱]
>
> ''امی! دونوں ماموئوں نے بھی کبھی نہیں چاہا ہو گا کہ آپ کی اپنے ماں باپ سے صلح ہو اس طرح انہیں جائیداد سے حصہ دینا پڑتا۔''[۱۲]

انوار احمد جانتے ہیں کہ اس معاشرے کے خدا کبھی بھی خاتون کو آگے آنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ وہ اپنی تحریر و تقدیر میں معاشرتی انصاف کی باتیں ضرور کریں گے مگر عملی طور پر اس کے لیے کچھ بھی نہیں کریں گے۔ جہاں انوار احمد کے پڑھے لکھے اور روشن خیال کردار اس معاشرے کی اشرافیہ پر چوٹ کرتے ہیں تو بعض اوقات انوار احمد ان پڑھ نسوانی کرداروں کی حالت زار بیان کرتے ہیں۔ گھریلو زندگی میں خواتین جس تکلیف اور کرب سے گزرتی ہیں اُس کا حال بیان کرتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں چوں کہ بد قسمتی سے تعلیم کی شرح انتہائی کم ہے لہٰذا بیشتر ان پڑھ ہوتے ہیں اور وہ خاتون پر ہاتھ اٹھانے میں کوئی شرمندگی محسوس نہیں کرتے:

> ''میاں جی، بڑے ظالم تھے، سالن میں نمک زیادہ ہوتا تھا تو بی بی کے شاگردوں کے سامنے ان کو مارتے تھے چونڈنے سے پکڑ کر گھر سے باہر نکال دیتے تھے۔''[۱۳]

انوار احمد ہمیشہ مرد و زن کی معاشرتی برابری پر مبنی معاشرے کے خواہاں ہیں۔ عورتوں پر ہونے والے مظالم کے نہ صرف وہ خلاف ہیں بلکہ جس سطح پر بھی ممکن ہوا انہوں نے اس حوالے سے آواز اٹھائی ہے وہ جانتے ہیں کہ مردانہ برتری کے خواہاں اہل دستار ایسا نہیں چاہتے وہ ہمیشہ صنف نازک کو دبا کر رکھنا چاہتے:

> ''اہل دستار کو ہمیشہ یہ خطرہ لاحق رہتا ہے کہ لڑکیوں کی زبان کہیں کھل ہی نہ جائے۔ ان کی گھٹی ہوئی سسکیاں تکیے بھگونے کے بجائے مردانہ برتری پر قائم اداروں کے بچے کھچے ضمیر میں خلش ہی پیدا کرنا نہ شروع کر دیں۔''[۱۴]

انوار احمد چوں کہ اس خطے میں رہنے والی عوام کے مسائل کو اپنے ڈراموں کا موضوع بناتے ہیں اس لیے ان کے ڈراموں میں حقیقت نگاری موجود ہے۔ انوار احمد عام آدمی کی بات کرتے ہیں اُس کے مسائل پر روشنی ڈالتے ہیں۔ کس طرح ایک عام آدمی کے لیے زندگی گزارنا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ کس طرح وہ حالات کی ستم ظریفی کا شکار ہے۔ انوار احمد کو اگر زندگی کا بے رحم مفسر کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ انہوں نے اپنے ڈراموں میں تلخ حقائق بیان کئے ہیں۔ زندگی کے ان پہلوئوں پر بات کی ہے جن کو عام طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے:

> ”ہم سب اچھی اچھی باتیں کرتے ہیں ہر آدمی اس وہم میں مبتلا ہے کہ وہ بہت اچھا ہے سچا ہے، دیانتدار ہے، بااصول ہے، منافق نہیں ہے یہ نہیں دیکھتا کہ اس کے ایسا کہنے، اصرار کرنے کے باوجود اندھیرا ہے کہ بڑھتا جاتا ہے۔“[۱۵]

انوار احمد کے اس اقتباس کو پڑھنے کے بعد ان کا روزنامہ دنیا کی جانب سے لکھا گیا پہلا کالم ”کوفہ کی اولاد“ یاد آجاتا ہے کہا اگر ہم سب سچ بولتے ہیں، دیانتدار ہیں تو پھر اندھیرا کیوں بڑھتا جا رہا ہے اور اگر ہم سب سچ نہیں بولتے، دیانتدار نہیں ہیں تو پھر ہم سب کوفیوں کی طرح جھوٹے ہیں۔ ایک اور اقتباس ملاحظہ کیجئے:

> ”ایک عرصے سے یہ مڈل کلاس کے ساتھ ہو رہا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اس طرح تعلیم دیتے ہیں ہنر سکھاتے ہیں کہ یہ باہر چلے جائیں۔“[۱۶]

آج ہماری تمام مڈل کلاس اس خبط میں مبتلا ہے کہ جس طرح ہم نے زندگی گزاری ہے ہمارے بچے نہ گزاریں ہم اس ملک، اس معاشرے کو درست کرنے کے بجائے اس سے فرار کا راستہ اختیار کرنے کو ترجیح دے رہے ہیں۔ عملی طور پر ایسا کرنے کے باوجود اگر کوئی ہم سے کہتا ہے کہ آپ کو اس وطن یا اس معارے سے محبت نہیں کرتے تو ہمارا جواب ہوگا کہ یہ دھرتی ہمیں اپنی جان سے بھی پیاری ہے۔ اس دوہرے معیار اور منافقت کی جانب انوار احمد ہماری توجہ مبذول کرواتے ہیں۔ ہمیں بتاتے ہیں کہ ہمارا معاشرہ انہی رویوں کی وجہ سے زوال کا شکار ہے۔

ارسطو نے ڈرامے کو جن چھے اجزا کا مرکب قرار دیا ہے ان میں سے پلاٹ یا قصے کی اہمیت کو سب پر فوقیت دی ہے۔ عصرِ حاضر میں کرداروں کو پلاٹ کے مقابلے میں زیادہ اہم سمجھا جانے لگا ہے لیکن پلاٹ کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے کیوں کہ اس کے بغیر ڈرامے کا تصور بھی ممکن نہیں ہے۔ کسی واقعہ قصہ یا کہانی ڈرامائی انداز میں پیش کرنے سے پہلے ایک مخصوص وحدت میں پیش کرنا پڑتا ہے۔ ڈراما نگار کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ وہ فضول چیزوں کو ڈرامے سے خارج کر دے اور نہایت ضروری اور اہم واقعات کو پیش کرے۔ اگر انوار احمد کے ڈراموں کو اس بنیادی اصول پر پرکھا جائے تو ان کے ڈرامے اس اصول پر پورا اترتے دیکھائی دیتے ہیں۔ انوار احمد کے پلاٹ مضبوط اور گھتے ہوئے ہوتے ہیں۔ کہانی ایک ربط کے تحت آگے بڑھتی ہے۔ ایسے میں فنکار کو ڈرامے کے نظم وضبط کو برقرار رکھنے کے لیے خاص دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ انوار احمد کے ڈراموں میں کرداروں کی تعداد کم ہوتی ہے۔ نسوانی کردار مضبوط ہوتے ہیں۔ آپس میں تصادم کی صورتحال پیدا ہوتی ہے یعنی کسی بھی وقت قاری کی توجہ متزلزل نہیں ہوتی۔ قاری مسلسل تحسین کی کیفیت میں رہتا ہے۔ ہونے والے واقعات کو دیکھنے کا تجسس اُس کی توجہ کو بھٹکنے نہیں دیتا۔ قاری کو اپنی گرفت میں رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ڈرامے کا آغاز انتہائی دلچسپ ہو۔ انوار احمد نے اس بات کی طرف خاص توجہ دی ہے کہ اُن کے ڈراموں کا آغاز شاندار ہو اور پورے قصے میں اس امر کا خیال رکھتے ہیں۔ منٹو کے افسانوں کی طرح ان کے ڈراموں کا اختتام بھی چونکا دینے والا ہوتا ہے۔ انوار احمد کے نزدیک تخلیق فنکار اور قاری کی مشترکہ کاوش ہے۔ اختتام پر وہ قاری کو سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔ جب قاری سوچتا ہے تو مسائل کی نشاندہی ہوتی ہے اور جب مسائل کی نشاندہی ہوتی ہے تو ان کا حل نکلتا ہے۔

اسلوب کسی بھی تخلیق کا لازمی جزو ہوتا ہے اسلوب اور تخلیق لازم وملزوم ہیں۔ اسلوب کسی بھی تخلیق کار کی پہچان ہوا کرتا ہے۔ تحریر جن عناصر سے مل کر تشکیل پاتی ہے اُن کے مرکب کو اسلوب کہتے ہیں۔ انوار احمد کی تحریروں کا اگر مطالعہ کیا جائے تو اس میں طنز کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے۔ تلخ سماجی حقیقتوں سے پردہ اٹھایا ہے اور ان حالات پر گہرا طنز بھی کیا ہے۔ لیکن اس امر نے ڈرامے کے فنی تاثر کو مجروع نہیں ہونے دیا۔

ہمارے ملک میں ارباب واختیار کی غفلت کی وجہ سے بہت سے ادارے تباہ ہو چکے ہیں۔ اس ملک کے تشخص کو مجروح کیا جا رہا ہے۔ جس کی بنیادی وجہ افراد کی منافقت ہے۔ ان کے قول و فعل میں جو تضاد ہے وہ اس معاشرے کی گمراہی میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ اقتباس دیکھیے:

> ''نیلم: منور صاحب، آپ کو قومی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کے لیے بہت متحرک ہیں مگر آپ کی بیٹی؟
>
> منور: دیکھیے، یہ جو وطن عزیز ہے ناں ہم نے اسے لاکھوں قربانیاں دیکر بنایا ہے۔ اب اگر اسے ترقی دینی ہے تو ہمیں اور بھی قربانیاں دینا ہونگی۔
>
> نیلم: جس میں قومی زبان کی قربانی بھی شامل ہے۔''[۱۷]

اب مندرجہ بالا اقتباس کو اگر ہم دیکھیں تو ہمیں اُن اہل دستار کی اصلیت سمجھ میں آتی ہے جو اس ملک کے سرخ و سفید کے مالک ہیں جو دوسروں کو اس عمل کی ترغیب دیتے نظر آتے ہیں کہ ہمیں قومی زبان میں تعلیم حاصل کرنی چاہیے مگر اُن کی اپنی اولاد غیر ملکی زبانوں میں تعلیم حاصل کر رہی ہوتی ہے۔ اہل حکم خود میں اور رعایا میں ایک فرق قائم رکھتے ہیں۔ اُن کا کام عوام الناس کی خدمت کرنا ہوتا ہے۔ اُن کی زندگی کو مزید خوبصورت بنایا ہوتا ہے مگر وہ اس کے بجائے اُن کی زندگیوں کے خاتمے کی وجہ بنتے ہیں:

> ''جس سرکاری نمبر پلیٹ کی گاڑی نے اس بس کو اوور ٹیک کیا تھا اس کا نمبر تو لکھواؤ جس کی وجہ سے یہ بس کھائی میں گر گئی ہے۔''[۱۸]

اگر انوار احمد کی ڈراما نگاری کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ چند خامیوں کے باوجود انوار احمد ایک کامیاب ڈراما نگار ہیں۔ ان کے موضوعات اُن کے اپنے معاشرے سے ہی کشید کیے گئے ہیں۔ وہ معاشرے مسائل کو اپنے ڈراموں میں اجاگر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جاگیر دار اور ملا کس طرح اس معاشرے کو کھوکھلا کرنے میں مصروف ہیں، طاقتور کس انداز میں کمزور پر ظلم کرتا ہے، گھریلو زندگی کے مسائل اُن کے ڈراموں کا خاص موضوع ہیں۔ انوار احمد کے کردار زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایسے کردار جن کو ہم اپنے معاشرے میں دیکھ سکتے ہیں۔ انہوں نے برجستہ، چھوٹے چھوٹے مگر بھرپور مکالموں کے ذریعے سے

کرداروں میں جان ڈال دی ہے۔ بعض جگہوں پر اگرچہ بعض کردار وعظ کرتے بھی سنائی دیتے ہیں۔ جس سے ڈرامے کا حسن ماند پڑ جاتا ہے۔ انوار احمد کے ڈرامے کا آغاز بہت دلچسپ ہوتا ہے۔ وہ قاری کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور چونکا دینے والا اختتام ڈرامے کے آخر میں قاری کو سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اُن کے ڈراموں میں تلخ سماجی حقائق کو دکھایا گیا ہے اس اعتبار سے انہیں معاشرتی زندگی کا بے رحم مفسر کہا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اشرف، اے۔ بی، ڈاکٹر، اُردو ڈراما اور آغا حشر (ملتان: بیکن بکس ۱۹۹۲ء)، ص ۱۳۔

۲۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ''خون خاک نشیناں''، مشمولہ: انگارے (ملتان: اگست، ۲۰۰۶ء)، ص ۲۴۔

۳۔ ایضاً، ص ۵۵۔

۴۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ''ایک عمر کئی زندگیاں''، مشمولہ: انگارے (ملتان: جون، ۲۰۰۴ء)، ص ۴۰۔

۵۔ ایضاً، ص ۳۲۔

۶۔ اسلم قریشی، ڈاکٹر، ڈرامہ نگاری کا فن (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۷۹ء)، ص ۱۲۵۔

۷۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ''صفروں والا گھر''، مشمولہ: انگارے (ملتان: اکتوبر، ۲۰۰۵ء)، ص ۴۱۔

۸۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ''تیر' پیالہ اور النگ''، مشمولہ: ارض ملتان (ملتان: اکتوبر، ۲۰۱۱ء)، ص ۵۳۔

۹۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ''ایک عمر کئی زندگیاں''، مشمولہ: انگارے (ملتان: جون، ۲۰۰۴ء)، ص ۲۳۔

۱۰۔ ایضاً، ص ۵۰۔

۱۱۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ''صفروں والا گھر''، مشمولہ: انگارے (ملتان: اکتوبر، ۲۰۰۵ء)، ص ۳۵۔

۱۲۔ ایضاً، ص ۵۰۔

۱۳۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ''ایک عمر کئی زندگیاں''، مشمولہ: انگارے (ملتان: جون، ۲۰۰۴ء)، ص ۶۔

۱۴۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ''اگلے جنم موہے بٹیا ہی کیجو''، مشمولہ: زندگی اک تماشا (ملتان: بیکھوں پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء)، ص ۸۔

۱۵۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ''ایک عمر کئی زندگیاں''، مشمولہ: انگارے (ملتان: جون ۲۰۰۴ء)، ص ۴۵۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۴۵۔

۱۷۔ ایضاً، ص ۳۶۔

۱۸۔ ایضاً، ص ۵۴۔